شمس نوید عثمانی

ماہِ صیام پر نگاہِ واپسیں

رمضان المبارک بھی یوں تو دیکھنے میں سال کے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ کا نام ہے۔ لیکن درحقیقت اگر ایمان و یقین کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ مہینہ صرف تیس یا انتیس شب و روز کے مجموعہ کا نام نہیں، اس کے سوا اور بھی کچھ ہے۔ اگر سچائی اور ہدایت کو انسانیت کا ماحصل اور اس فانی زندگی کا حقیقی سرمایہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ مہینہ اسی دولت کا لامحدود خزانہ ہے۔ ذرا سی دیر کے لئے ایک ایسی دنیا کا تصور فرمائیے جس میں سب کچھ ہو مگر "قرآن" نہ ہو! ——— قرآن ——— جو حقیقت کا واحد مینارۂ نور ہے ——— قرآن جو ظن و تخمین اور اندیشہ و گمان کی آوارہ خیالیوں کی تاریک بھول بھلیاں سے نکلنے کا واحد اور قطعاً واحد راستہ ہے ——— قرآن جو حیات و کائنات کے بنانے والے، پالنے والے خدا کا وہ آخری پیغام ہے جس کی روشنی میں انسان اپنی کھوئی ہوئی جنت کی طرف سفر کر سکتا ہے۔ اپنی زندگی کا مقصد، راہِ عمل اور منزلِ مقصود کا تعین مکمل اذعان و یقین کے ساتھ کر سکتا ہے ——— اگر قرآن موجود نہ ہوتا تو بڑی سے بڑی عبادتیں اور سخت سے سخت ریاضتیں انسان کو آنکھوں اور کانوں اور قلوب کے باوجود اندھا بہرہ اور بےحس ہونے سے نہ بچا سکتیں۔ زندگی صبح و شام اور صبح و شام کے گھسے پٹے معمولات سے ابھرتی اور وہیں کی وہیں دفن ہو کر رہ جاتی۔ سائنس اور فلسفے کے دھارے انسانیت کی کشتی کو اپنے تیز رو دھاروں میں ڈبو کر رکھ دیتے اور اس موت کی دنیا سے باہر ایک نہ ختم ہونے والی زندگی کے "عالم بالا" کا کوئی یقینی تصور ہمارے پاس ہرگز نہ ہوتا۔

اگر قرآن انسانیت کا واحد سرمایۂ حقیقت ہے تو رمضان المبارک اس سرمایہ کا مخزن ہے۔ اسی مبارک مہینے کے افق سے صدیوں کی سیاہ رات کا پردہ چاک ہوا تھا۔ اور ریگستانِ عرب کے اُمّی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں پر اللہ کی آواز ابھرتی ہوئی سنائی دی تھی۔ اسی مہینے کی وسعتوں میں عرشِ اعظم سے حقائق کا نور ایمان پتھر کی دنیا پر نازل ہوا تھا، اور خدا کا مقرب ترین فرشتہؑ اسی مہینے کے صبح و شام میں آسمانوں سے زمین پر اتر کر ایک انسان صادقؐ سے ہمکلام ہوا تھا۔ یہ عظیم ترین تاریخی واقعہ ہر سال رمضان المبارک کے پردۂ نور پر منعکس ہوتا ہے اور ہر سال جنت سے نکالے ہوئے انسانوں کو خدا کی جنت ابدی کی طرف اشارہ کر کے حقیقی زندگی کا شعور، لگن، حوصلہ اور ولولہ عطا کرتا ہے۔ لیکن کتنے "مسلمان" ہیں جو اس ماہ صیام کی عظمت کو پوری طرح محسوس کرتے ہیں؟ ۔ کتنے دل ہیں جو ہلال رمضان کو دیکھ کر جذبات شوق سے دھڑک اٹھتے ہیں؟ ۔ کتنی آنکھیں ہیں جو اس مہینے میں ندامت و انفعال کے گرم گرم آنسوؤں سے بھیگ جاتی ہیں؟ کتنی زبانیں ہیں جو دل کی گہرائیوں سے اپنے خدا کو پکارتی ہیں؟ ۔ کتنے دماغ ہیں جو اس ماہِ مبارک کے سائے میں بیٹھ کر انسانی زندگی کے اس "آخری انجام" کے متعلق سوچتے ہیں جو بنتا ہے تو زندگی طربیہ کہانی بن جاتی ہے اور بگڑ جاتا ہے تو زندگی کی ساری تابانیاں ایک المناک ظلمت کے سانچے میں ڈھل کر رہ جاتی ہیں؟

روزے کوئی گھسا پٹا معمول نہیں۔ تقدیر کو بنانے کا ایک سنہرا موقعہ ہیں جو سال کے ۳۶۵ دنوں میں چند دن کے لئے انسان کے ہاتھ آتا ہے، اور پھر ایک سال یا ہمیشہ کیلئے

[illegible]
کو پانے کے لئے وہ زمین پر ہوگا یا زمین کی گہرائیوں میں منوں مٹی کے نیچے اس کی ہڈیاں بھی سُرمہ بن چکی ہوں گی۔ اس ماہِ مبارک کا لازوال تحفہ "قرآن" اس لئے نہیں کہ اس کے الفاظ کو کسی منتر کی طرح الاپ لیا جائے ــــــــ اس کا ہر لفظ ہمیں حقیقت کا ایک شعور اور ہدایت کا ایک مخصوص پیغام دیتا ہے۔ جس کو پڑھنا اور پڑھ کر سمجھنا اور سمجھ کر کردار و عمل میں جذب کرنا ہماری نجات و فلاح کے لئے لازم و ناگزیر ہے۔ اب جب کہ "ماہ صیام" کا بہتری موقعہ ہمارے ہاتھ سے نکل رہا ہے ــــــــ ہمیں اپنی پیش کش اپنا عظیم تحفہ، لازوال یادگار دیکر جا رہا ہے اور وہ ہے کتاب اللہ۔ اس لئے اگر ہم نے بدقسمتی سے اس ماہ مقدس کی برکات سے اپنا حصہ حاصل نہیں کیا تو "قرآن" کے صفحات میں اپنی محرومی کا نعم البدل تلاش کر سکتے ہیں۔ ایک بار اللہ کے بندے اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"لوگو! ــــــ جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے آدمی کے دل کو بھی زنگ لگ جاتا ہے" ــــــــ صحابہؓ نے یہ بات سنی تو فکر و تشویش کے گہرے جذبات نے ان کے دل و دماغ کو متزلزل کر دیا۔ انھوں نے انتہائی درد و اضطراب کے ساتھ اس روحانی زنگ خوردگی کا علاج دریافت کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہلک ترین مرض کے لئے دو دوائیں تجویز فرمائی تھیں ــــــــ "موت کی بکثرت یاد اور اللہ کی کتاب کی زیادہ سے زیادہ تلاوت"۔

قرآن کریم کے الفاظ قلب انسانی کے زنگ کو کس حد تک کھرچ سکتے اور دل کی مردہ دھڑکنوں میں زندگی کی سنسنی کس حد تک پیدا کر سکتے ہیں اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھئے۔ عرب کے سنگدل ترین کافرجن کے دلوں پر کفر و شرک کے زنگ کی انتہائی جامد تہیں چڑھی ہوئی تھیں، اور جو کبھی اس مہلک مرض سے شفا نہ پا سکے اور کفر کی موت مرے ان پر بھی قرآن اثر کرتا تھا۔ یہ اثر کوئی معمولی اثر نہ تھا تاثر کا ایک طوفانی اثر تھا جو ان کے پورے وجود کو مرتعش کرکے

[illegible]
کرنے کے بعد بھی ہدایت صرف ان کو ملی جن کی طرف رحمتِ خداوندی کی نگاہ اٹھ گئی ــــــ اس لئے کہ "ہدایت" وہ آخری نعمت ہے جو خدا ہی اپنے ہاتھ سے انسان کو عطا کرتا ہے۔ کفر کی حالت میں جب قرآن نے انسان پر یہ اثر کیا تھا تو اسلام کی حالت میں اس کا اثر کتنا گہرا اور ہمہ گیر ہونا چاہئے اس کا پورا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ ہاں طلب اور جستجو کی شمعیں لئے ہوئے قرآن کی طرف بڑھ کر دیکھئے تو یہ بات تجربہ سے ثابت ہو جائے گی۔

قرآن نے انسانی قلوب پر ان کے کفر و شرک کی بدترین کیفیت میں کیسا کیسا اثر کیا ہے اس کا ایک ہلکا سا اندازہ کرنے کے لئے چند واقعات کی تاریخی جھلک دیکھئے:۔

دارالندوہ کی تاریخی عمارت میں کفر و باطل کی قوتوں کا ایک تاریخی اجتماع ہو رہا تھا۔ زیرِ غور یہ تجویز تھی کہ قرآن اور حاملِ قرآن محمد عربیؐ فداہ روحی کا مقابلہ کرنے کے لئے شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت کی طاقت استعمال کرکے دیکھی جائے۔ نگاہِ انتخاب عتبہ بن ربیعہ پر پڑی جو کفر کی صفوں میں شعر و سخن کی ممتاز صلاحیتوں کا مالک تھا۔ یہ شخص جارحانہ ذہنیت اور حقیقیانہ مقابلہ کے جذبات لئے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ لفاظی اور سطحی استدلال کے اوچھے ہتھیاروں سے زبانِ وحی ترجمان پر بازی لیجائے۔ جب کافر سب کچھ کہہ چکا اور سب ہتھیار استعمال کر چکا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب تک خاموشی سے سنتے رہے تھے خدا کی کتاب کی چند مخصوص آیات انتہائی دردناک آواز میں تلاوت فرمانے لگے۔ خدا کا رسولؐ خدا کے الفاظ میں شیطانی ہیرو کو جواب دے رہا تھا۔ اللہ کی کتاب کے الفاظ اور رسول خدا کی دل گداز آواز نے اس سنگدل کافر کے زنگ خوردہ دل پر یہ اثر کیا کہ وہ بُت کی طرح ساکت و صامت کھڑا کا کھڑا رہ گیا! ہوش و بیداری کی حالت میں ہوش و حواس پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی اور قرآن کے الفاظ کا زیر و بم اس پتھر کی رگ و پے میں رقت اور سنسنی کی لہر دوڑاتا چلا جا رہا تھا۔

جب آنحضرتؐ اس مقام پر پہنچے جہاں قرآن سے یہ جلال آمیز للکار بلند ہو رہی تھی کہ ——— "پس اگر یہ لوگ اعراض و روگردانی کریں تو کہہ دے کہ میں تمہیں ایک ایسی گرج سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود کے سروں پر گرج چکی ہے" ——— تو عتبہ کے ضبط کا پیمانہ چھلک گیا، وہ پاگلوں کی طرح آگے بڑھا اور شدید بدحواسی کے عالم میں آنحضرت کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پکار اٹھا ——— "بس! بس کر اے محمد! (صلعم) میرے حال پر رحم کر! ——— اتنا نہ ستا!!"۔

عتبہ کی اس وارفتگی و سراسیمگی کی خبر مکہ کی گلی کوچوں میں پھیل گئی ——— ابوجہل بوکھلایا ہوا عتبہ کے پاس پہونچا اور کہا "کیا تو بھی مسحور ہو گیا ہے؟ کیا تو بھی دین آبائی سے پھر گیا؟"

عتبہ جبر کے کانوں کے پردے اب تک اسی گرج کی وعید سے جھنجھنا رہے تھے۔ خوف زدہ آواز میں بولا "میں کچھ نہیں جانتا کہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ ——— اے ابوجہل! محمدؐ کی آواز میں ایک خوفناک خبر کی دھمک سُنی ہے میں نے ——— اور مجھے کچھ یاد نہیں۔ وہ ہمیں عاد و ثمود کی کڑک کا خوف دلاتا ہے۔ میں ہرگز دین آبائی سے نہیں پھرا مگر میں کیا کروں کہ محمد (صلعم) کی آواز نے میرے دل کو ہلا کر رکھ دیا ہے" ———

ایک بار مغیرہ کا بیٹا ولید ——— سرغنہ کفر قرآن کی زد میں آیا ——— رسولِ خدا کتاب اللہ کی تلاوت کرتے جاتے تھے اور ولید پر سر سے پاؤں تک ایک شدید کپکپی دوڑ رہی تھی۔ ضبط کی ناکام کوشش کے بند ٹکڑے ٹکڑے ہوئے اور کفر و طغیان کا ہٹ دھرم شیطان قرآن کے آگے رو پڑا۔

ولید جو حجبہ شاعری اور قصیدہ گوئی میں ماہر تھا قرآن سے ٹکرانے کا حوصلہ لے کر آیا تھا، مگر اس کا پتھریلا احساس بھی قرآن کی لطیف چوٹ کی تاب نہ لا سکا۔

جدا، محمد عربیؐ اور قرآن کا جانی دشمن قرآن کے آستانے پر شکست و ہزیمت کے بیشمار آنسو ٹپکا رہا تھا۔ یہ حقیقت کی آواز تھی جو پتھر کو پگھلائے دے رہی تھی۔ یہ قرآن تھا جو کافر کو رلائے دے رہا تھا

ابوجہل نے جب ولید سے اس ردعمل کی توجیہ معلوم کی تو اس نے جواب دیا کہ "میں بددین نہیں ہوا مگر یہ محمد کے ہونٹوں سے جو آواز سنائی دے رہی ہے میں اس کی تاب نہیں لا سکا ——— اس آواز میں سوز ہے ——— میٹھا میٹھا درد ہے"۔

وحشیؓ جنھوں نے حالتِ کفر میں حضرت امیر حمزہؓ کا کچا کلیجہ چبایا تھا ان کے آقا جبیر مطعم ابھی کفر کی حالت میں بحیثیت کر اسیرانِ بدر کا فدیہ ادا کرنے کے لئے اللہ کے رسولؐ کے پاس آئے یہ وہ وقت تھا جب ایک انتہائی خون آشام کفران کے دل میں اسلام کے خلاف نفرت کی بھٹیاں دہکا رہا تھا۔ لیکن نفرت و انتقام کی آگ میں جلتا ہوا "دشمن" جب رسول کریمؐ کے پاس پہنچا تو یہ دیکھا کہ آپؐ خدائے ذوالجلال کے آگے ہاتھ باندھے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت میں محو ہیں۔ خشوع و خضوع سے کانپتی ہوئی پرسوز آواز خدا کا آخری پیغام نشر کر رہی تھی ——— جبیرؓ کہتے ہیں کہ میں اس آواز کو سن کر کفر کی حالت میں سراپا درد و اضطرا بنا ہوا کھڑا تھا ——— آپ قرآن پڑھ رہے تھے اور میں دل تھامے ہوئے یہ محسوس کر رہا تھا کہ درد کی شدت سے میرا دل اب پھٹا ——— بس اب پھٹا! ———

تاریخ اسلام کے یہ چند واقعات اس حقیقت کو سمجھانے کے لئے کافی ہیں کہ قرآن میں ایک بے پناہ تاثیر ہے ——— ایک زبردست اثر ہے ——— ایک عظیم قوت ہے جو سینوں کی گہرائیوں میں، گوشت کے دلوں میں درد و گداز کی بجلیاں کوٹ دیتی ہے ——— لیکن کیا ہوا کہ آج ہمارے دل اسلام و ایمان کی حالت میں بھی قرآن کو سن کر گریۂ دردناک کی توفیق نہیں پاتے! ——— ہم قرآن کو سینے سے لگائے ہوئے بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں کو نہیں چھو رہا ہے — اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ قرآن میں تو بے شک وشبہ اثر موجود ہے اس لئے کہ یہ وہی قرآن ہے جو آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے سرغنہ کفارِ مکہ کے دلوں کو ہلا دیتا تھا ——— قرآن میں بے شک بے پناہ اثر ہے مگر ہمارے احساسات اور قرآن کے

درمیان ایک نامعلوم دبیز پردہ ——— ایک" حجاب مستور"
حائل ہو چکا ہے۔ اس خوفناک ظلمت کے نظر نہ آنے والے
پردے کو چاک کئے بغیر ہم نہ رمضان سے مستفید ہو سکتے ہیں نہ
قرآن سے فیض یاب۔ اس پردے کو چاک کرنے کے لئے
ہمیں "زیغ قلب" کے مرض کو دور کرنے کے لئے رسولِ خدا کی
تجویز کردہ پہلی دوا استعمال کرنی ہوگی جو اپنی موت کی بکثرت یاد
ہے۔ فریب زندگی کو توڑنے کے لئے اس دن کو بار بار یاد کیجئے
جب ہم موت کے بستر پر پڑے ہوئے نہ جانے کس قدر تکلیف
کے ساتھ دم توڑ رہے ہوں گے ——— جب دنیا ہمیں
اٹھا کر زمین کی تہ میں پھینک رہی ہوگی اور ہماری آواز ہمیشہ کے
لئے خاموش ہو چکی ہوگی ——— انسان خدا کا انکار کر سکتا
ہے مگر موت کا انکار نہیں کر سکتا ——— موت پر ہر شخص
ایمان رکھتا ہے ——— اسی ایمان سے چلئے اور آپ خود بخود
قرآن پر ایمان کی منزل کو چھو لیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔
اے خدا ہم پر قرآن کے صدقے میں رحم فرما! ——— اور
اس کو ہمارے لئے مشعلِ راہ اور حجت بنا دے! آمین۔